مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم
مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں

مولانا حافظ محمد اسمٰعیل [1]

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی پوری زندگی جہاں ایک طرف سرتاپا انقلاب تھی، وہاں دوسری طرف انہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف سے عشق کی حد تک شغف تھا۔ اور وہ ان کی نشر و اشاعت میں اپنی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ جہاں بھی انہیں موقع ملتا اور وہ فضا سازگار دیکھتے، حضرت شاہ صاحب کے علوم کا درس و تدریس

---

[1] مولانا حافظ محمد اسمٰعیل مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی ——— آپ مولانا محمد صادق صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں مولانا مرحوم نہ صرف سندھ کی، بلکہ پورے برصغیر کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ موصوف ایک عرصے تک جمعیت العلماء ہند کی سندھ شاخ کے صدر رہے۔ نیز دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ مولانا محمد صادق نے برطانوی استبداد کے خلاف جدوجہد کی، اس کی ایک طویل تاریخ ہے۔ کھڈہ کراچی کا مشہور دینی مدرسہ مظہر العلوم مولانا مرحوم کا قائم کردہ ہے۔ آپ مولانا عبیداللہ سندھی کے دست راست تھے۔

(مدیر)

شروع فرما دیتے تھے۔ علم و عمل اور عزم و ہمت کے اس پیکر نے ملک کی آزادی، علمائے کرام کی بیداری، عربی و دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کی اصلاح اور نوجوانوں میں قومی و ملی امنگ پیدا کرنے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اس برصغیر میں ولی اللّٰہی علوم کو متعارف کرانے میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، ان کی تاریخ بڑی طویل ہے۔ وہ تمام عمر ان مقاصدِ عظیم کی تکمیل کی خاطر ساحلِ نیل سے لے کر خاک کاشغر تک سرگرداں اور سرگرمِ کار رہے۔ جب کبھی سرزمین پاک و ہند کی تاریخ حریت منصف مزاج اور حق پسند مورخ لکھیں گے تو اس سلسلے میں مولانا سندھی نے جو کوششیں کی ہیں، اس وقت ان کا صحیح اعتراف ہوگا۔

آج سے بائیس سال پیشتر اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب مولانا مرحوم واپس وطن تشریف لائے، تو باوجود اس کے کہ اس وقت کے سندھ کے وزیر اعلیٰ اللہ بخش مرحوم نیز شیخ عبدالمجید سندھی کا اصرار تھا کہ مولانا ان کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ نے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا کہ ہم ہمیشہ مدرسہ مظہر العلوم میں ٹھہرتے ہیں اور اب بھی یہیں ٹھہریں گے۔ چنانچہ مولانا سندھی مرحوم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں ٹھہرے اور راقم السطور کے والد مرحوم مولانا محمد صادق بانی مدرسہ مظہر العلوم کے مہمان ہوئے۔ مولانا سندھی کے نیاز حاصل کرنے اور ان سے مستفید ہونے کے لئے ہر طبقے کے حضرات مدرسۂ مذکور میں تشریف لاتے اور ہر وقت وہاں سیاسی رہنماؤں علماء ماہرین تعلیم اور سربرآوردہ حضرات کا اجتماع رہتا۔

مولانا مرحوم اپنے پہلو میں ایک بے قرار دل رکھتے تھے اور ان کا دماغ بھی برابر اسی سوچ میں سرگرداں رہتا تھا۔ کہ یہ ملک کس طرح آزاد ہو۔ یہاں کے عوام کی حالت کیسے بہتر کی جائے۔ مسلمانوں کی موجودہ پس ماندگی کس طرح دور ہو سکتی ہے۔ اور ان کو تشتت و افتراق سے نکالنے کے کیا طریقے ہیں۔ اسلام جس نے ایک زمانے میں انسانیت کو نئی زندگی عطا کی تھی۔ اب وہ انسانیت کے دکھوں کا کیسے مداوا ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ برصغیر کے مسلمانوں میں اس وقت جو انتشار پھیلا ہوا تھا، اس کا علاج کیا ہے؟ مولانا مرحوم زیادہ تر انہیں امور پر سوچتے رہتے۔

اور جو اُن سے ملنے آتے، ان سے بھی اکثر انہی امور پر گفت گو فرماتے۔ مولانا مرحوم کو یہ فکر تھی کہ آگے آگے جو ملکی اور بین الاقوامی انقلابات آرہے ہیں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ذہنی طور سے ان کے لئے تیار نہ ہوئے، تو ان کا بہت بُرا حشر ہوگا۔ اور وہ کہیں کے نہیں رہیں گے۔ مولانا ہندوستان سے باہر افغانستان، روس، ترکی اور سرزمین حجاز میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار کر آئے تھے اور اس دوران میں انہوں نے بہت کچھ دیکھا۔ بہت کچھ پڑھا اور بہت زیادہ سوچا تھا۔ اور اس طرح تجربات کی ایک لمبی تاریخ ان کے ذہن میں تھی۔ مولانا مرحوم نے اس ملک اور بالخصوص یہاں کے مسلمانوں کے لئے ایک فکری راہ متعین کی تھی اور وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اسی غرض سے وطن لوٹے تھے کہ وہ اپنے اہل وطن کو اس سے متعارف کرائیں۔

اپنی اس فکری راہ کو عملی شکل دینے کے لئے حضرت مولانا سندھی ضروری سمجھتے تھے کہ مسلمانوں میں قدیم اور جدید علوم میں بُعد اور اجنبیت کی جو خلیج واقع ہوگئی ہے اسے ختم کرکے ان دونوں علوم کے حاملوں کو ایک دوسرے سے قریب کیا جائے، اور یہ دونوں مل کر اس ملت کی طاقت بنیں۔ نئے تعلیم یافتہ طبقے اسلام، اس کے علوم اور اس کی حقیقی روح سے بیگانہ نہ رہیں اور پرانی تعلیم پائے ہوئے لوگ آج کے زمانے کی علمی و فکری ضرورتوں کو سمجھیں۔ اس سلسلے میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں قیام کے دوران وہ مولانا محمد صادق صاحب مرحوم سے برابر اصرار کرتے رہے کہ وہ علماء کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ جمود کو چھوڑیں۔ اپنی تنگ اور قدامت پرستی کی زندگی سے باہر نکلیں ملک میں جو نئے حالات پیش آرہے ہیں ان کو سمجھیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دوسرے طبقوں سے تعاون کریں۔ اور قوم کو جس علمی، فکری اور عملی قیادت کی ضرورت ہے اسے مہیا کریں۔ مولانا سندھی مرحوم کو ان باتوں کا اتنا شدید احساس تھا۔ اور جو مستقبل میں ہونے والا تھا، وہ ان کی چشم تصور کے سامنے اس طرح واشگاف تھا کہ وہ ان امور پر گفت گو کرتے کرتے جوش میں آجاتے۔ اور ان کے وہ عقیدت مند جو ان کی بات ماننے کو تیار نہ ہوتے ان پر بے طرح برس پڑتے مولانا سندھی کی یہ جھلاہٹ جوش و غضب اور بے قراری بالکل فطری تھی کیونکہ مولانا جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ دوسرے نہیں دیکھ سکتے تھے

مولانا محمد صادق اگرچہ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات سے بڑی حد تک متفق تھے اور وہ آپ کی ان تمام باتوں کو بڑے ادب و احترام سے سنتے تھے، لیکن اس وقت ملک کی جو عام فضا تھی اور پھر مولانا محمد صادق کا جو اپنا قدامت پسند ماحول تھا۔ جس میں ان کی ساری زندگی گزری تھی۔ اس سے یکایک نکل آنا ان کے بس میں نہ تھا۔ نیز مولانا سندھیؒ کی بعض باتیں اتنی آگے کی تھیں اور اس وقت کے حالات و ماحول ان کے لئے بظاہر اتنا ناسازگار نظر آتا تھا کہ وہ اکثر علماء کو ناقابل عمل معلوم ہوتیں وہ انہیں مولانا سندھی کی مجذوبانہ طبیعت کا نتیجہ سمجھتے، لیکن ان باتوں کو جو دل پر بڑا اثر کرنے والی ہوتی تھیں، سنتے سب تھے، اور ان سے متاثر بھی ہوتے تھے کیونکہ "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" مولانا سندھی مرحوم کی سب سے بڑی اور پاکیزہ تمنا یہ تھی کہ دینی مدارس میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت کی تعلیم ہو، علمائے کرام اسے اپنائیں۔ اور اس کے مطالعے اور اس کی تحقیق سے ان میں شغف پیدا ہو۔ مولانا مرحوم کا خیال تھا کہ حکمت ولی اللہی ایک طرف اس دیوار کو جو قدیم اور جدید علوم کے درمیان انگریزی سیاست نے حائل کردی ہے، ختم کرسکتی ہے، اور دوسرے برصغیر کے مسلمانوں کو آج جس فکری رہنمائی کی ضرورت ہے، وہ اس سے پورا ہوسکتی ہے۔

مولانا مرحوم کے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ ایک عالم ربانی محدث، مفسر، فقیہہ و مجتہد کے ساتھ ساتھ ایک حکیم و فلسفی بھی ہیں، اور اس وقت ہمیں ایک ایسے ہی جامع علوم و حکیم بزرگ کی ضرورت ہے، جو دین کے ساتھ ساتھ دنیوی مسائل مہمہ میں بھی ہماری رہنمائی کرسکے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی ایک عہد آفریں شخصیت تھے۔ وہ پوری ملت اسلامیہ کی ایک ایسی دولت گراں مایہ تھے، جس کا جواب شاید پھر پیدا نہ ہوسکے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم کے

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
راز داں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا

وہ پوری اسلامی دنیا میں اسلامی فلسفہ و حکمت کا سرمایہ لے کر پھرتے رہے، اور ایک عرصہ دراز تک دیار حرم میں رہ کر اس فلسفہ و حکمت کی تعلیم دیتے رہے۔ مسلمانوں کے انحطاط اور زوال

پر اُن کا دل کڑھتا تھا۔ اور وہ شب و روز اسی فکر میں غلطاں رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمان اس انحطاط و زوال سے نکلیں جس کا کہ واحد نسخہ ان کے نزدیک ولی اللہی حکمت تھی۔ وطن واپس آنے کے ساتھ ہی مولانا سندھیؒ نے مولانا محمد صادق مرحوم سے اپنی اس پُرزور خواہش کا اظہار فرمایا کہ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں شاہ صاحب کی حکمت کی تعلیم کا انتظام ہو۔ اور مولانا محمد صادق مرحوم اس کے سربراہ اور قائد بنیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں شیخ عبدالمجید سندھی، مولانا وفائی مرحوم، سید باقر شاہ مرحوم، محمد امین کھوسو، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی، مولانا عزیز اللہ جروار۔ سید حسن بخش شاہ، جی ایم سید۔ حاجی مولا بخش سومرو، حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم، مولانا عبداللہ لغاری مرحوم، اور مولانا عبدالقادر لغاری سے برابر مشورے ہوتے رہے۔ جب تک مولانا سندھیؒ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں قیام پذیر رہے حضرات اکثر آپ سے ملنے وہاں تشریف لاتے۔ اور باہم تبادلۂ خیالات ہوتا۔ ان سب بزرگوں کو مولٰنا سندھی کی علمی عظمت، ان کے تدبر اور دور اندیشی پر پورا اعتماد تھا۔

غرض بروز یک شنبہ ۱۲ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۵۸ھ (۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ء) دارالرشاد میں اور ۱۶ ذی القعدہ کو مظہر العلوم کراچی میں ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ جو حضرت مولانا سندھیؒ کے الفاظ میں "اسلامی فلاسفی کا خادم اور محافظ ہوگا، اگر خدا کو منظور ہے تو وہ ایک سوچے سمجھے ہوئے دینی پروگرام پر چل کر مسلمانوں کا تشتت دور کر دے گا۔ واللہ الموفق والمعین"۔

اس شعبے کا نام جمعیت "خدام الحکمۃ" تجویز ہوا، اور اس کے اساسی اصول یہ مقرر ہوئے۔

(ا) امام ولی اللہ دہلوی کو جمیع علوم شرعیہ مثلاً کتاب و سنت اور حکمت و سیاست میں امام تسلیم کرنا۔

(ب) ان کی کتابیں (۱) الفوز الکبیر۔ فتح الرحمن۔ ازالۃ الخفا (۲) حجۃ اللہ البالغہ، مسوّی، مصفیٰ (۳) قول جمیل، الطاف القدس، ہمعات، (۴) سطعات، لمحات، البدور البازغہ، الخیر الکثیر تاویل الاحادیث (۵) فیوض الحرمین، التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ کو ان کی اصلی زبانوں میں پڑھنے پڑھانے کا انتظام کرنا۔

(ج) امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کی تشریح میں امام عبدالعزیز دہلوی کو امام ماننا۔ اور مولٰنا

رفیع الدین کی "تکمیل الاذہان" مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی "عبقات" مولانا محمد قاسم دیوبندی کی "تقریر دلپذیر" اور "شرح حدیث ابن رزین" اور "قبلہ نما" کو بطور مبادی پڑھنا پڑھانا۔

مولانا محمد صادق مرحوم نے مولانا سندھیؒ کے اس تعلیمی لائحہ عمل کو مستقل شکل دینے کیلئے مذکورہ بالا کتابوں میں سے چند کو مدرسہ مظہر العلوم میں شامل کر دیا۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی کی خدمات حاصل کیں اور خدا کے فضل و کرم سے مولانا محمد صادق مرحوم و مغفور کی زندگی ہی میں یہ سلسلہ شروع ہو گیا لیکن ان کی وفات اور ان کے بعد ان سے متعلق و منتسب حضرات کی سرد مہری کی وجہ سے یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اور حکمت ولی اللہی کو عام کرنے کے ضمن میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈھ کو جو اہم رول ادا کرنا تھا۔ اور جس کی حضرت مولانا سندھیؒ کو اس سے بڑی توقعات تھیں، وہ ادا نہ ہو سکا۔ بہر حال اب وقت آگیا ہے کہ اس خواب کی، جو حضرت مولانا سندھی نے دیکھا تھا، اور جس کی عملی تعبیر کی مولانا محمد صادق صاحب نے طرح ڈالی تھی ایک مرتب و منضبط عملی شکل ہمارے سامنے آئے اور آج کے حالات میں ان بزرگوں کے کام کو آگے بڑھایا جائے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ علوم دینیہ سے شغف رکھنے والے حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں، اور اس مظلوم رہبر نے ملت کو اسلام کے احیاء اور مسلمانوں کی سربلندی کی جو راہ دکھائی تھی اور جس کی تلقین وہ تمام عمر کرتے رہے، اس پر گامزن ہونے کی تدبیر سوچیں۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر آیا ہوں مولانا سندھیؒ کے شب و روز کی کوششوں اور ان کی مسلسل جد و جہد کا ماحصل یہ تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و معارف کو عام کیا جائے، اور انہیں ہم اپنی فکری و علمی اساس بنا کر آگے بڑھیں۔ اس سلسلے میں مولانا سندھی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ کو ایک ایسی تحریک کا امام بنایا ہے جس کے پیش نظر اس دور کے فرسودہ اور زوال آمادہ نظام کو ختم کرنا تھا۔ چنانچہ ان کو مخاطب کرتے ہوئے "فک کل نظام" کا ارشاد ہوا۔ امام ولی اللہ نے پیش گوئی کی تھی کہ ان کی اولاد کے پہلے طبقے سے علم الحدیث کو فروغ ملے گا۔ اور دوسرے طبقے میں علم و حکمت کی اشاعت ہوگی۔ چنانچہ امام عبدالعزیز سے حدیث کا شیوع ہوا۔ اور مولانا رفیع الدین کی تکمیل الاذہان اور شاہ اسمٰعیل شہید کی عبقات سے حکمت کے ایک نئے سکول کی طرح پڑی۔ نیز امام ولی اللہ نے فرمایا تھا کہ ان کی بیٹیوں کی اولاد سے ایسے افراد

پیدا ہوں گے، جو ان کے بیٹوں کے بعد ان کے کام کو آگے بڑھائیں گے الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق اور مولانا محمد یعقوب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اس پیش گوئی کے مصداق بنے۔

اسی سلسلے میں امام ولی اللہ نے فیوض الحرمین میں خلافت کے ذکر میں لکھا ہے کہ خلافت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خلافت ظاہرہ اور دوسری خلافت باطنہ۔ خلافت باطنہ سے امام ولی اللہ جماعتی تنظیم و جدوجہد کا وہ دور مراد لیتے ہیں، جو باقاعدہ حکومت کی تشکیل سے قبل کا ہوتا ہے اور جس کے نتیجے میں یہ باقاعدہ حکومت بروئے کار آتی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا جو دور زندگی تھا مولانا سندھیؒ اسے خلافت باطنہ کا نام دیتے ہیں ان کے نزدیک خلافت ظاہرہ کے قیام کے لئے تشدد اور محاربہ ضروری ہوتا ہے درآں حالیکہ خلافت باطنہ کا دور عموماً عدم تشدد کا ہوتا ہے۔ ملک کا خراج بزور وصول کر کے مستحقین کو پہنچانا، مصارف عامہ میں خرچ کرنا، اور عدالت کا نظام بزور قائم کر کے مظلومین کی حمایت کرنا خلافت ظاہرہ کے اہم اجزا ہیں۔ یہ اور اس قسم کی باتیں مولانا سندھی جس انوکھے انداز سے کرتے تھے، گو ان کی معقولیت اور اثر آفرینی کی وجہ سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہوتی تھی، لیکن ان خطوط پر کسی فکری و عملی تحریک کو چلانا علمائے کرام اس زمانے میں دشوار سمجھتے تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا مرحوم کے ان افکار پر کسی تحریک کی باقاعدہ داغ بیل نہ پڑ سکی اور مولانا کی کوششیں محض دعوت و ارشاد اور تعلیم و تلقین تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس سلسلے میں یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اُس وقت برصغیر میں بھی جو سیاسی تحریکیں چل رہی تھیں، مولانا سندھی مرحوم ان میں سے کسی کے ساتھ بھی بالجملہ متفق نہ تھے، اگرچہ جزواً جزواً بعض کے ساتھ ان کا اتفاق تھا۔ اسی لئے وہ علمائے کرام سے برابر یہ اپیل کرتے رہے کہ وہ دینی مدارس میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ علمی کے علوم و حکمت کو شامل نصاب کریں تاکہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کے ذہنوں کی آب یاری ہو سکے۔ نیز وہ ہمیشہ اس پر زور دیا کرتے تھے کہ علماء جدید اور انگریزی پڑھے ہوئے طبقوں کو اپنے سے قریب لائیں اور قدیم و جدید کی خلیج کو پُر کریں۔

آج جب ہم اس دور کو دیکھتے ہیں، اور ہمارا ماحول جس سرعت سے بدل رہا ہے اس

کے احوال و کوائف کا مطالعہ کرتے ہیں، اور وہ جن نئے تقاضوں کا حامل ہے ان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں بے اختیار حضرت مولانا سندھی کا پیغام یاد آتا ہے۔ جو ان کی زندگی میں لوگوں نے ان کی زبان سے سنا۔ لیکن اس وقت اس پر عمل نہ ہوسکا۔ خدا کرے اب ملت ادھر متوجہ ہو اور حکمت ولی اللہی کو عام کرکے اور اس کے اصول و مبادی کو اپنا کر مولانا سندھیؒ کی بے تاب روح کو طمانیت و سکون بخشے۔

میں یقیناً ۱۳-۱۴- سال (قیام حجاز کے دوران) سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بنظر عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ تفسیر قرآن میں جس قدر مقامات میرے لئے مشکل تھے اس زمانہ میں انھیں امام ولی اللہ دہلوی کے اصول پر بالاطمینان حل کرسکا۔ جو لوگ میری طرح امام ولی اللہ دہلوی کو نہیں مان سکتے ان کو مطمئن کرنے کا دعویٰ میں نہیں کرسکتا لیکن مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا۔ اس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننا پڑتی ہے میں نے امام ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا مثلاً بدور بازغہ۔ خیر کثیر۔ تفہیمات الہیہ۔ سطعات الطاف القدس لمحات وغیرہ۔ ان کتابوں کے لئے بطور مفتاح میں نے مولانا رفیع الدین دہلوی کی تکمیل اذہان اور مولانا اسمٰعیل شہید کی عبقات اور مولانا محمد قاسم العلوم اور تقریر دلپذیر۔ اور آب حیات کو استعمال کیا مجھے ان کتابوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا۔ اور ساتھ ہی مدارسنہ قرآن عظیم بھی جاری رہا اس سے میرے نظریات بہت وسیع ہوگئے۔ للہ الحمد

اگر مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں امام ولی اللہ دہلوی کو حکمت کا مجتہد مستقل فرض کرلوں اور امام عبدالعزیز دہلوی اور مولانا رفیع الدین دہلوی کو اس حکمت کا مفسر اور مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کو مجتہد فی المذہب کے رتبہ پر تسلیم کرلوں تو میں اس حکمت کا ایسا اسکول قائم کرسکتا ہوں جس میں (الف) قرآن عظیم۔ (ب) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسنت الخلفا الراشدین (ج) تاریخ اسلام کی پوری عقلی تشریح ممکن ہو اس کے بعد تمام مذاہب عالم اور کتب مقدسہ کی تحقیق و تطبیق اسی اصول پر آسان ہوجائیگی (ذلک من فضل اللہ واللہ ذو الفضل العظیم)

(مولانا عبیداللہ سندھی)